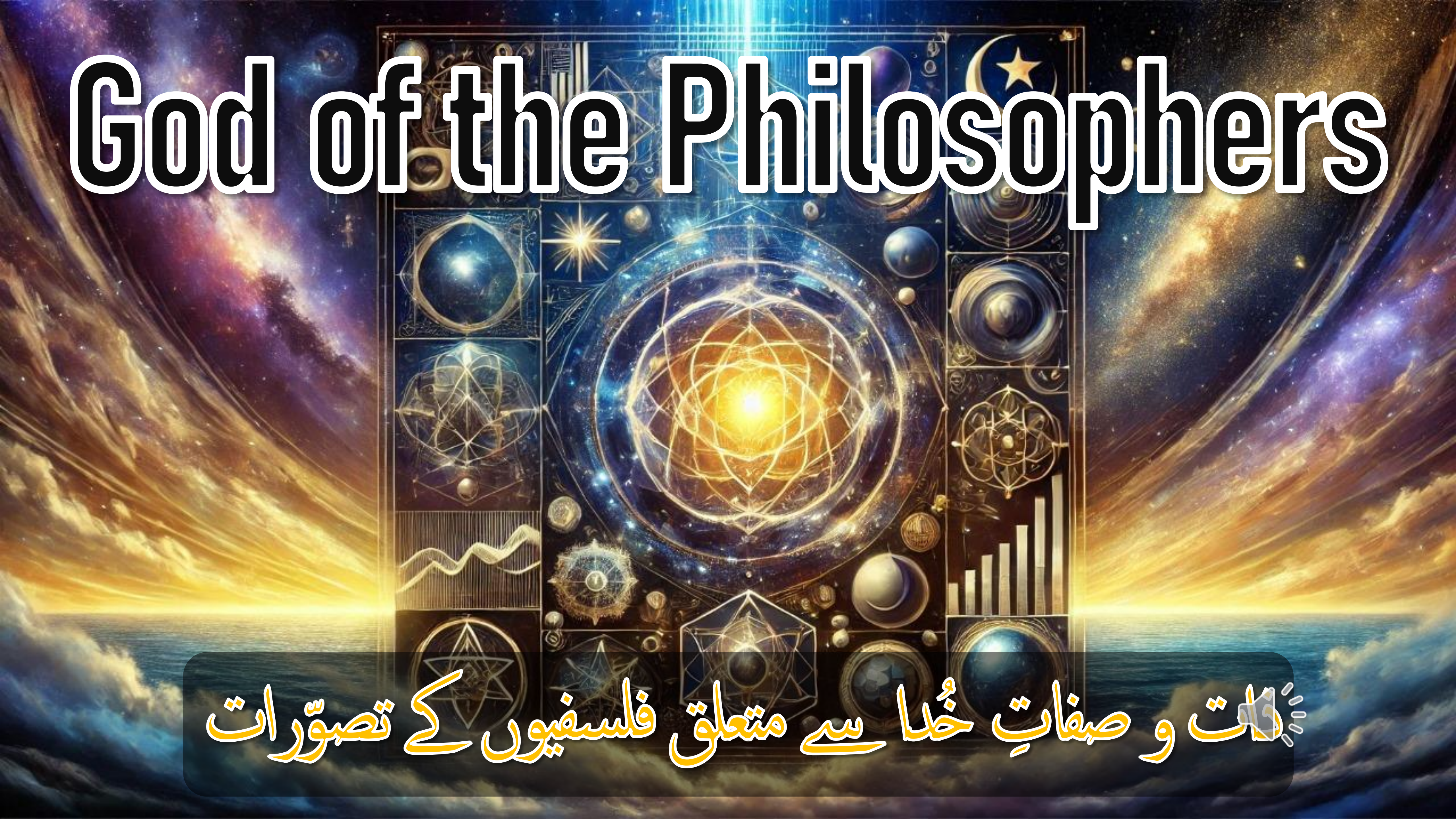
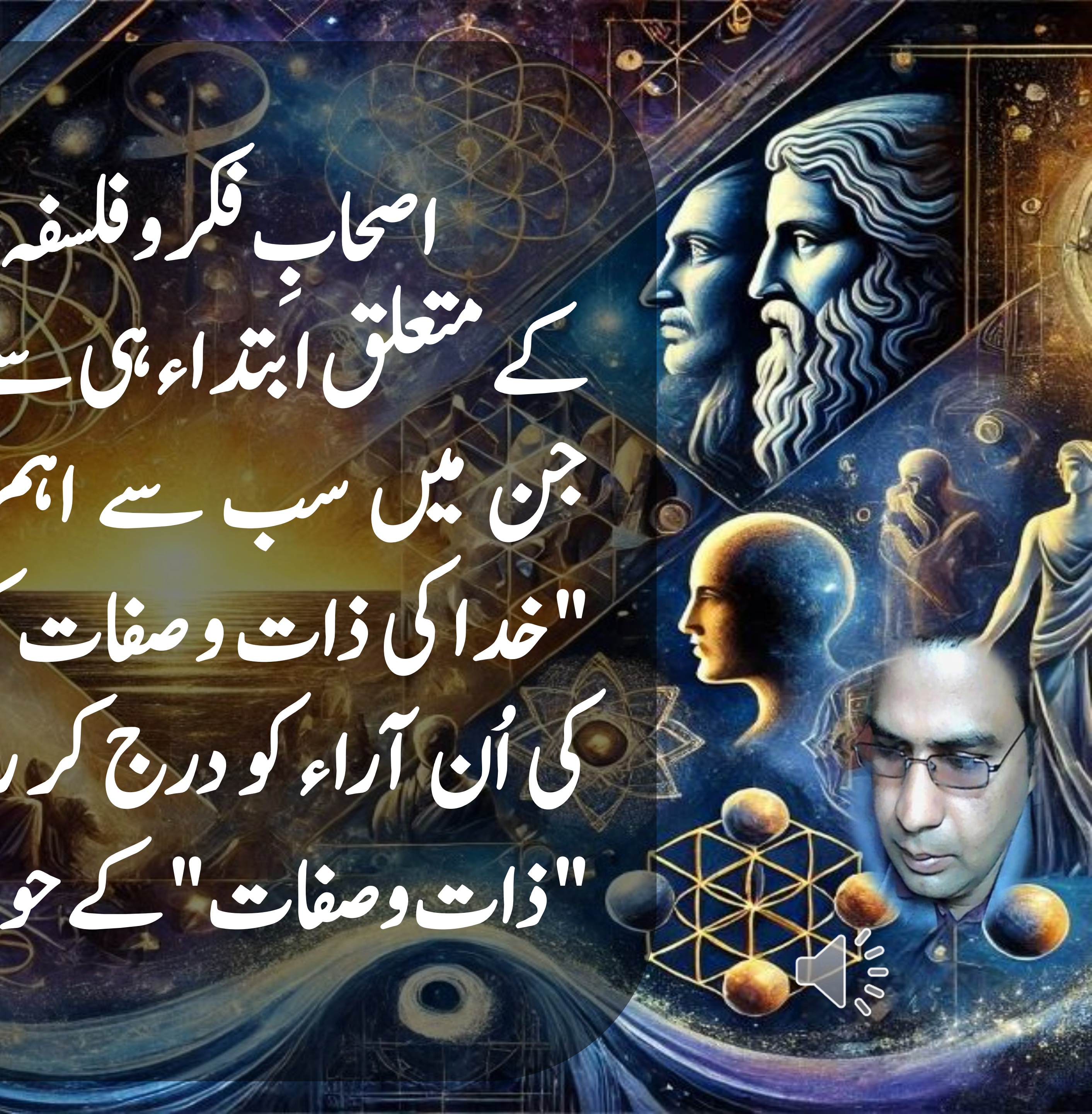

God of the Philosophers
ذات و صفاتِ خُدا سے متعلق فلسفیوں کے تصوّرات

اصحابِ فکر و فلسفہ کے سامنے خدا کی ذات و صفات کے متعلق اِبتداء ہی سے چند بنیادی سوالات رہے ہیں، جن میں سب سے اہم اور یقیناً پہلا سوال یہ ہے کہ "خدا کی ذات و صفات کیا ہیں؟" ذیل میں ہم فلسفیوں کی اُن آراء کو درج کر رہے ہیں، جو انہوں نے خدا کی "ذات وصفات" کے حوالے سے دی ہیں:




یونان کے ابتدائی فلسفیوں کی آراء

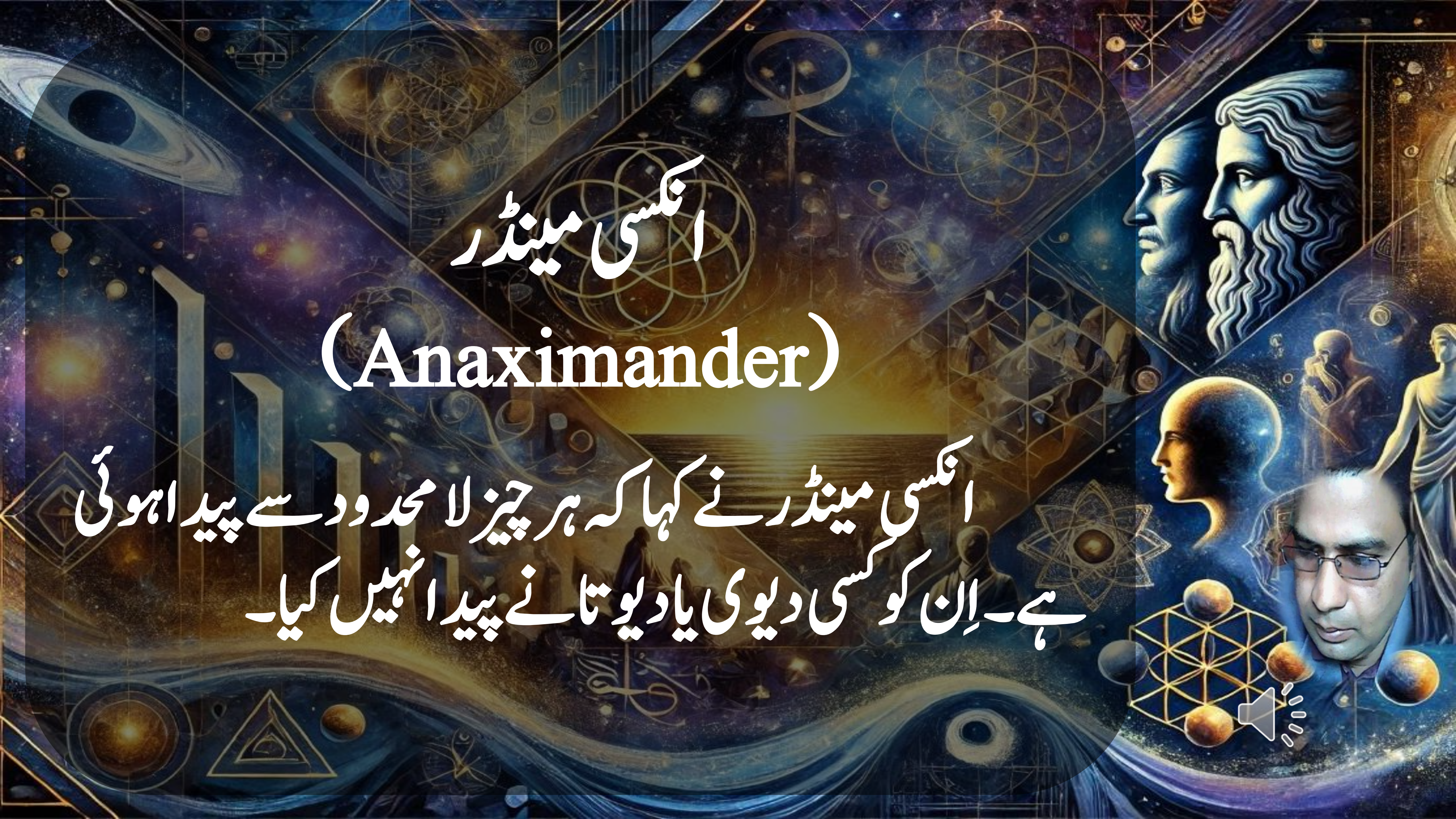
یونان کے ابتدائی دور کے فلسفیوں نے جب خدا
کی ذات و صفات پر غور کرنا شروع کیا تو اُنہوں نے
دیوتاؤں کے متعلق عام لوگوں کے عقیدہ سے تعرّض
نہیں کیا۔ لیکن کائنات کے وجود میں آنے کی توجیہہ
مختلف طریقوں سے کرنے کی کوشش کی۔ اِن ابتدائی
مفکرین میں مندرجہ ذیل فلسفی شامل ہیں؛



تھیلز

(Thales)

تھیلز نے کہا کہ دنیا کو کسی خدا نے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ جس طرح دوسری چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، اُسی طرح دنیا بھی وجود میں آگئی۔


انکسی مینڈر
(Anaximander)
انکسی مینڈر نے کہا کہ ہر چیز لا محدود سے پیدا ہوئی
ہے۔ اِن کو کسی دیوی یا دیوتا نے پیدا نہیں کیا۔

ہیرا قلیطس

(Heraclitus)

ہیرا قلیطس دیویوں اور دیوتاؤں کا سخت مخالف تھا۔ وہ اُن کا ذکر نہایت حقارت سے کرتا اور کہتا ہے کہ عام لوگ جن بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اُن کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں۔

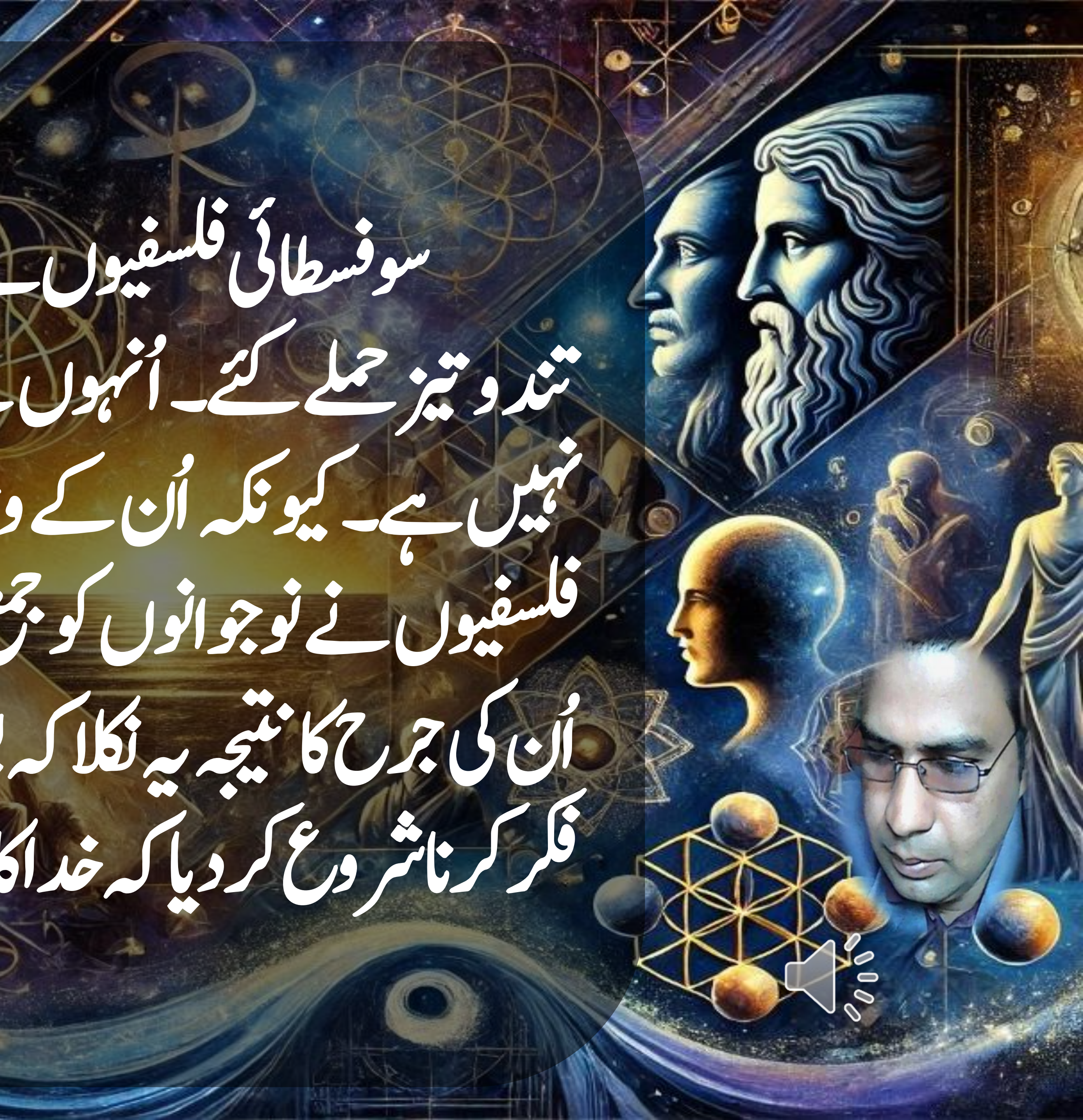


زینوفینز (Xenophanes)

زینوفینز نے دیوتاؤں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ خدا ایک ہی ہے، جس کو فنا نہیں۔ وہ کہتا تھا کہ لوگوں نے اپنی شکلوں پر دیوتاؤں کو بنایا ہوا ہے۔ اگر بیلوں، خنزیروں اور دوسرے جانوروں کے ہاتھ میں بھی موُئے قلم ہوتا تو وہ اپنی صورت پر خدا بنا ڈالتے۔ یہی وجہ ہے کہ حبشہ کے دیوتاؤں کا رنگ کالا اور ناک چپٹی ہے۔ زینوفینز کہتا ہے کہ خدا ہر لحاظ سے انسانوں سے مختلف ہے۔ خدا ایک وحدت ہے، جس کی نہ ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہا۔ وہ ایک ہی جگہ پر رہتا ہے، وہاں سے حرکت نہیں کرتا۔ اُس کو دنیا چلانے کے لئے کوئی کاوش نہیں کرنی پڑتی۔ خدا کائنات کا اساسی کلیہ ہے۔ خدا ہی کائنات ہے۔




سوفِسطائی فلسفیوں کی آراء



سوفسطائی فلسفیوں نے بہت سے خداؤں کے تصور پر بڑے
تند و تیز حملے کئے۔ اُنہوں نے کہا کہ دیوتاؤں کا تصور قرینِ عقل
نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے وجود کی کوئی عقلی بنیاد نہیں۔ سوفسطائی
فلسفیوں نے نوجوانوں کو جمع کر کے توحید کی اشاعت کی۔ بتوں پر
اُن کی جرح کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد کے فلسفیوں نے اِس مسئلہ پر غور و
فکر کرنا شروع کر دیا کہ خدا کا صحیح تصور کیا ہے؟

سُقراط (Socrates)

یونان کے عظیم فلسفی سقراط نے خدا کی وحدانیت کا تصور دِیا
اور بتوں کے خلاف انتہائی جارحانہ اور مدلل تنقید کی۔ اُس کی جرح
نے بت پرستی تو کیا اوہام پرستی کی بھی جڑیں اُکھاڑ دِیں، جس کو
یونان کی حکومت برداشت نہ کر سکی اور جیوری نے اُس پر الزام لگایا
کہ وہ بتوں کے خلاف زہریلا پروپگنڈا کر کے نوجوانوں کو گمراہ کر رہا
ہے۔ اِس جرم میں اُس کو زہر کا پیالہ پینے کی سزا سُنائی گئی۔



افلاطون (Plato)

افلاطون نے دیوتاؤں کے متعلق عام تصور سے تعرض نہیں کیا۔ اس کی تحریروں میں تضاد ہے، جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس کا ذہن یکسو نہیں۔ وہ بتوں کا نام بھی لیتا ہے اور خدائے واحد کا بھی قائل ہے۔ البتہ جب وہ توحید کا بیان کرتا ہے تو دلائل کے ساتھ کرتا ہے اور بتوں کا ذکر کرتا ہے تو روایت کا سہارا لیتا ہے۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ اپنے استاد کی طرح زہر کا پیالہ پینے کا حوصلہ نہیں رکھتا یا وہ عوام کو چھیڑے بغیر اپنے طبقے کو توحید کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ خدا نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور انسان میں اپنی روح پھونکی۔ انسان کا جسم روح کا قید خانہ ہے۔ اس لئے ہمیں جلد سے جلد زمین سے چھٹکارا حاصل کر کے آسمانوں کی طرف پرواز کر جانا چاہئے۔ کیونکہ روح کا اصل ٹھکانا آسمان ہے۔



ارسطو(Aristotle)

ارسطو خدا کی وحدانیت پر پختہ یقین رکھتا تھا۔ وہ انسان کی عقل کو بہت بڑی چیز سمجھتا تھا۔ اُس کا کہنا ہے کہ انسان کے اندر ایک "نورِ یزدانی" (Divine Spark) اور "عقلِ ملکوتی" (Divine Reason) ہے۔ خدا کائنات کا خالق ہے۔ وہی محرکِ اول بھی ہے اور کائنات کو چلانے والا بھی۔ خدائے واحد نے انسان کے اندر سب کچھ ودیعت کر دیا ہے۔ اگر وہ اُس کو پہچان لے اور اُس کی تربیت اور نشوونما کر لے تو درجہِ کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ ارسطو کا یہ خیال وحی و نبوّت کی ضرورت سے بھی جوڑا جاتا ہے۔ ارسطو نے اِس کو انسان کے اندر مانا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ ہر چیز کا محور خدا ہے اور مادہ کی قید سے آزادی حاصل کر لینا ہر چیز کی انتہا ہے۔

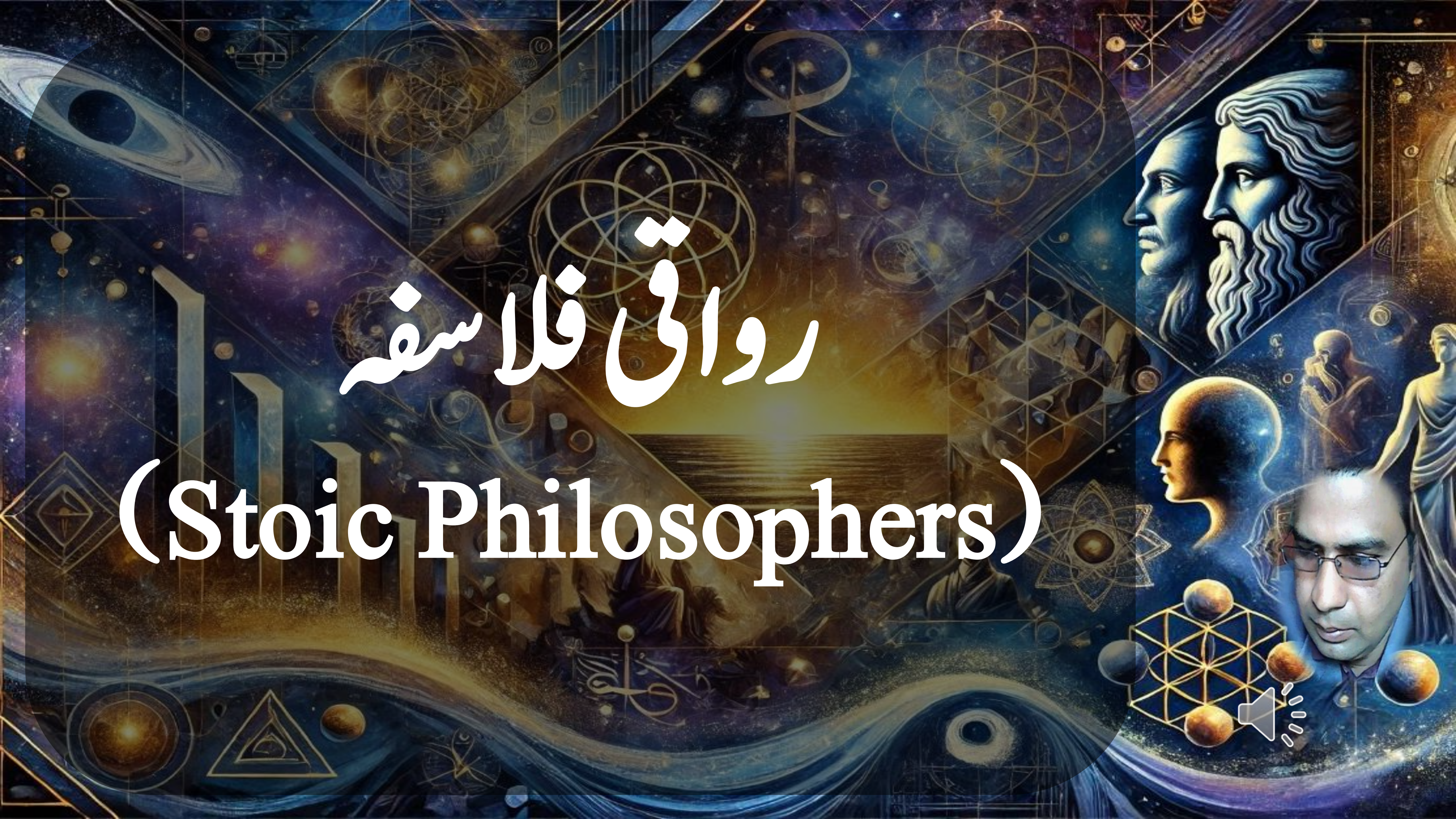


ابیقوری فلاسفہ

(Epicurean Philosophers)

ابیقوری فلاسفہ ایک خدا پر یقین نہیں رکھتے۔ اُن کا خیال
ہے کہ خدا بہت سے ہیں۔ وہ شکل و صورت میں انسانوں کی
طرح ہیں۔ البتہ اِن سے بہت زیادہ خوب صورت ہیں۔ اُن
میں مرد اور عورت کی طرح جنس کی تفریق بھی ہے۔ وہ کھاتے
پیتے ہیں اور یونانی زبان بولتے ہیں۔ اُن دیوتاؤں نے نہ دُنیا بنائی
اور نہ ہی دُنیا کے کاموں میں مداخلت کرتے ہیں۔ وہ خوش و
خرم رہتے ہیں اور اُنہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں۔




رواقی فلاسفہ
(Stoic Philosophers)

رواقی فلاسفہ خدا کی وحدانیت کے شدت سے قائل ہیں۔ اُن
کا کہنا ہے کہ خدا نے ہر چیز پیدا کی۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے وہ
اُس سے باخبر ہے۔ وہ انسانوں سے محبت کرتا ہے۔ برائی پر سزا اور
نیکی پر جزا دیتا ہے۔ خدا کا دنیا سے وہی تعلق ہے، جو روح کا جسم سے
ہے۔ جس طرح بیج سے بے شمار پھول پیدا ہوتے ہیں اُسی طرح روح
سے ہر قسم کی زندگی نمو پاتی ہے۔ اُن کے نزدیک خدا کے اندر پوری
کائنات ہے اور کائنات کی ہر چیز میں خدا ہے۔ گویا خدا کے متعلق
رواقیوں کا فلسفہ نظریہ وحدت الوجود کے تصور پر مبنی ہے۔



فائلو (Philo)

رواقیوں کے بعد کے دور میں مذہب کو بھی فلسفہ میں شامل کر دیا گیا۔ اِس طرح فلسفہ نے تقریباً علم الکلام کی صورت اختیار کر لی۔ یعنی ہر مسئلے پر مذہبی اور فلسفیانہ دونوں طرح سے اظہارِ خیال کیا جانے لگا۔ یہودی مفکر فائلو بھی اِسی دور کا ایک قابلِ ذکر فلسفی ہے۔ فائلو نے توحید کا وہی تصور دیا جو تورات میں ہے۔ لیکن یہ تصور بھی اُس نے بہت ہلکا دیا۔ فائلو کے نزدیک خدا اپنی عظمت، قدرت، رحمت اور کمال کے لحاظ سے انسان سے اِتنا عظیم اور بلند ہے کہ انسان نہیں جان سکتا کہ وہ کیا ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ خدا موجود ہے۔ خدا "علت العلل" (Cause of Causes) ہے۔ جس طرح شمع پورے ماحول کو روشن کرتی ہے، اُسی طرح خدا کے نور سے پوری کائنات منور ہے۔



پلوٹینس (Plotinus)

پلوٹینس اور فائلو کے تصورِ خدا میں معمولی سا فرق ہے۔ اُس کے نزدیک کائنات کی ہر چیز کی علت خدا ہے۔ لیکن خدا کمال کے اُس درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ ہم یقین سے اُس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم صرف یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا نہیں ہے۔ لیکن یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کیا ہے؟ ہم اُس کے متعلق جو کچھ بتاتے ہیں، وہ اُس کی ذات کا نہایت حقیر سا تصور ہے۔ پلوٹینس کہتا ہے کہ خدا ایک چشمہ کی مانند ہے، جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ دنیا کو خدا کی ضرورت ہے، لیکن خدا دنیا سے بے نیاز ہے۔



قرونِ وسطیٰ کے مسیحی فلسفی

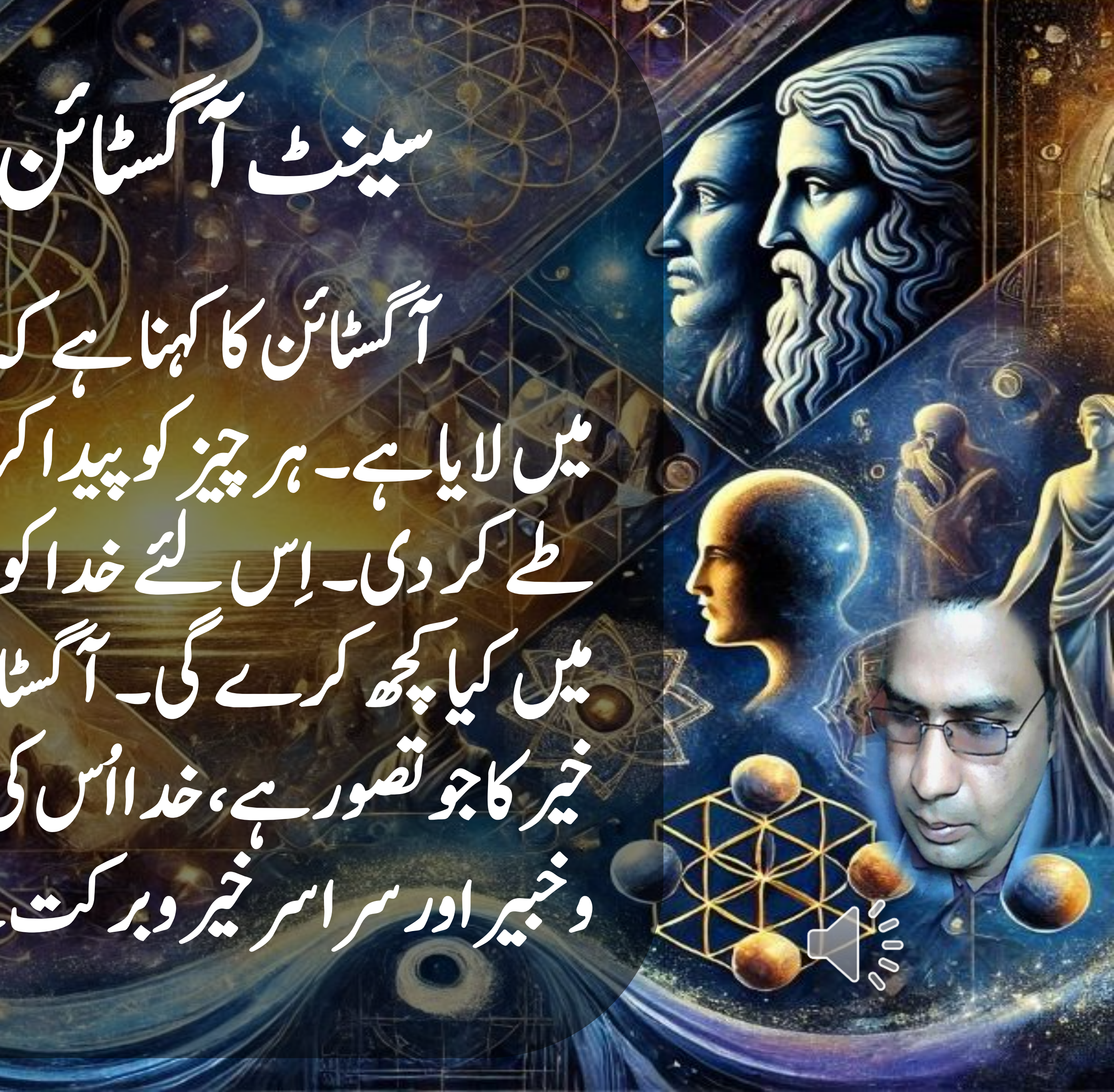
(Philosophers of Middle Ages)

قرونِ وسطیٰ کے مسیحی متکلمین نے مسیحیت اور یونانی فکر میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اُن کے مطابق کائنات میں نظم اور قرینہ خدا کے وجود یا محرکِ اول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خدا ازلی و ابدی ہے۔ وہ سراسر خیر و برکت اور دانش مجسم ہے۔ یہی دانش وہ قوتِ قاہرہ ہے جو ہر چیز کو کنٹرول کر رہی ہے۔ مسیحی متکلمین کا سب سے بڑا نمائندہ سینٹ آگسٹائن ہے۔



سینٹ آگسٹائن (St. Augustine)

آگسٹائن کا کہنا ہے کہ خدا ازلی ہے۔ وہ دنیا کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ ہر چیز کو پیدا کرنے سے قبل خدا نے اُس کی تقدیر بھی طے کر دی۔ اِس لئے خدا کو پہلے ہی معلوم ہے کہ اُس کی مخلوق دنیا میں کیا کچھ کرے گی۔ آگسٹائن کے نزدیک انسان کے اندر نیکی اور خیر کا جو تصور ہے، خدا اُس کی کامل ترین شکل ہے۔ وہ خالقِ کل، علیم وخبیر اور سراسر خیر و برکت ہے۔



آگسٹائن نے خدا کا جو تصور دیا، ایک عرصہ تک وہی تصور قائم رہا۔ لیکن بعض لوگوں نے اُس سے معمولی اختلاف بھی کیا۔ مثلاً آئرلینڈ کے جان اریجینا (John Erigena) نے کہا کہ ہم کائنات پر غور و فکر کے ذریعے جو کچھ جان سکتے ہیں، وہ بہت ہی معمولی اور حقیر ہے۔ حقیقت میں خدا کو جاننا ناممکن ہے۔ کیونکہ اُس کے نزدیک جو سمجھ میں آگیا، وہ خدا کیونکر ہوا؟ پہلی صدی عیسوی میں سینٹ پال کی مسیحیت کو فروغ حاصل ہوا، جس کے تحت تثلیث و کفارہ کا فلسفہ گھڑا گیا۔ آگسٹائن نے کہا کہ آدم کا جو گناہ انسان کے ساتھ چپک گیا تھا، اُس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے خدا خود ہی انسانی شکل میں "نجات دہندہ یا مسیح" بن کر آگیا۔



مزید برآں کائنات کا نظام چلانے کے لئے خدا نے اِس کے اندر ایک ملکوتی قوت جاری و ساری کر دی ہے، جس کو "روح القدس" کہا جاتا ہے۔ اِس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس کے فلسفہ نے جنم لیا۔ مسیحی متکلمین نے کہا کہ "خدا ایک میں تین، ہر تین میں ایک" ہے۔ چونکہ یہ بات عقل میں نہیں آ سکتی تھی، اِس لئے اِس کو منوانے کے لئے کلیسیا کی طرف سے جبر کیا گیا، جس کی وجہ سے مذہب بدنام ہو گیا اور یہ تصور عام ہو گیا کہ مذہب کا عقل سے کوئی واسطہ نہیں۔ اِس طرح مذہب کے خلاف بے زاری پیدا ہو گئی۔



جس وقت مسیحی متکلمین عیسائیت کو عقلی بنیادوں پر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اُنہی دنوں ایک تحریک اُبھری جس نے کہا کہ خدا کو عقل کی مدد سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اِس کے لئے مشاہدہِ ذات ہی واحد راستہ ہے۔ اِس کو بعد میں تصوف کا نام دیا گیا۔ اِن صوفیوں نے کہا کہ مشاہدہِ ذات سے ہمیں جو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ عقل سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ تصوف کے ذریعہ انسان کی روح جسم کے قید خانے سے نکل کر آسمانوں میں پہنچ جاتی ہے، جہاں وہ خدا کی ذات میں ضم ہو جاتی ہے۔ اِس طرح روح اپنے اصل گھر میں واپس پہنچ جاتی ہے۔



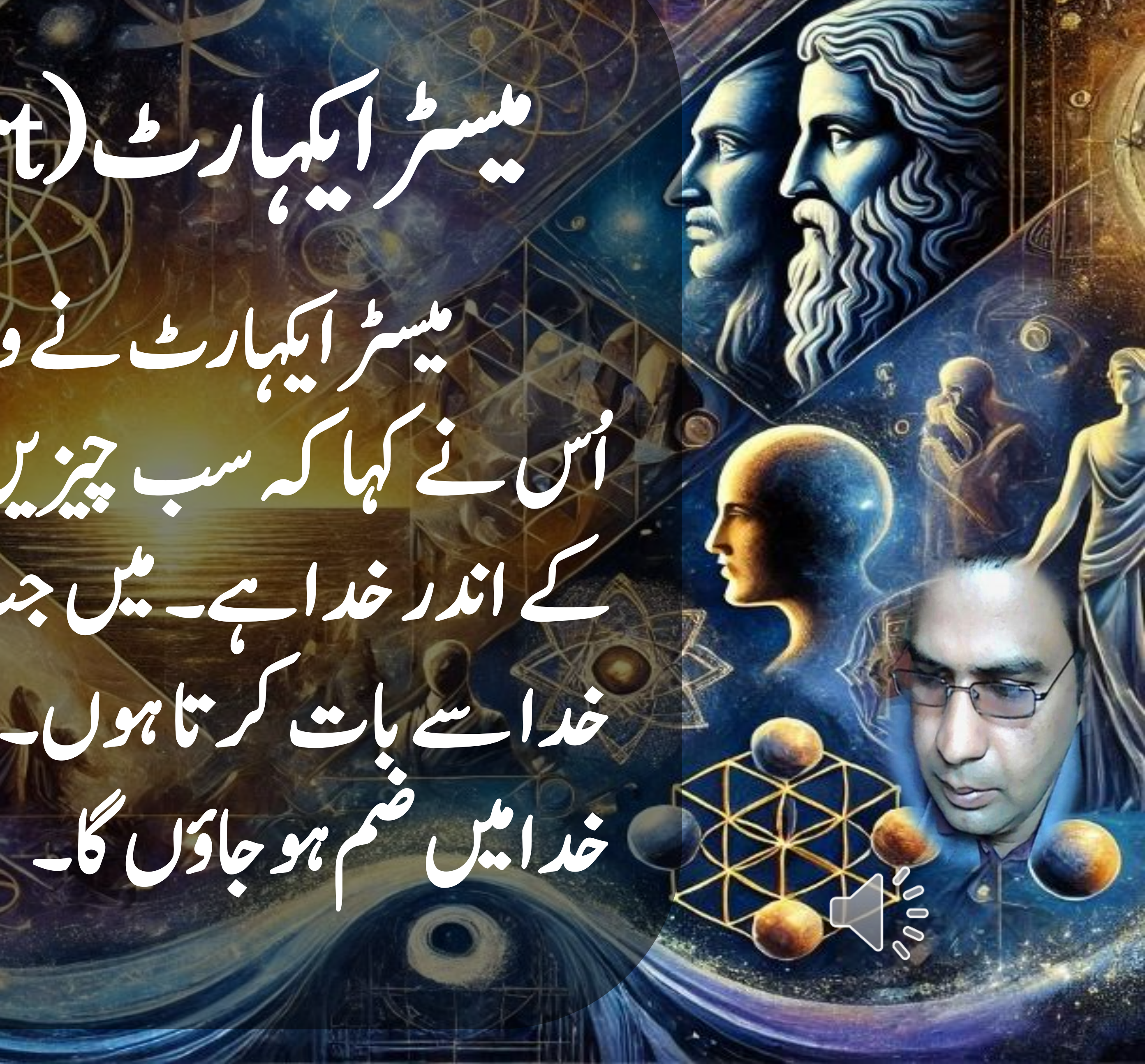
تھامس اکویناس (Thomas Aquinas)

تھامس اکویناس پر ارسطو کے فلسفہ اور منطق کا گہرا اثر تھا۔ اِس لئے اُس نے مسیحیت اور ارسطو کے فلسفے میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے کہا کہ خدا روح یا قوت ہے، جس نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے دنیا بنائی۔ خدا قادرِ مطلق ہے اور دنیا پر اُسی کی بادشاہی قائم ہے۔



میسٹر ایکہارٹ(Meister Eckhart)

میسٹر ایکہارٹ نے وحدت الوجودیت کا نظریہ پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ سب چیزیں خدا کے اندر ہیں اور سب چیزوں کے اندر خدا ہے۔ میں جب اپنے آپ سے بات کرتا ہوں، تو خدا سے بات کرتا ہوں۔ جب مجھے مشاہدہِ ذات ہو گا، تو میں خدا میں ضم ہو جاؤں گا۔




نشاۃِ ثانیہ کے فلسفی
(Thinkers of the Renaissance)

یورپ میں چودھویں سے سترہویں صدی تک کے اُس دور کو نشاۃِ ثانیہ یا نشاۃِ جدیدہ کہا جاتا ہے، جب فنون، ادب، سائنس اور فلسفے میں ایک زبردست احیاء (Revival) ہوا، جس سے کلیسا کے جبر کا زور ٹوٹنا شروع ہوا۔ دنیا میں پھر سے عقل کی روشنی پھیلی۔ فلسفیوں نے خدا کی ذات و صفات کو سمجھنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسفیوں نے جس خدا کا تصور دیا، وہ کلیسیا کے تصور سے بہت مختلف تھا۔



فرانسس بیکن (Francis Bacon)

فرانسس بیکن نے کلیسیا کے خدا کو ترک کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اُس نے فلسفیوں کے خدا اور کلیسیا کے خدا میں مصالحت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے کہا کہ الٰہیات کی دو اقسام ہیں۔ ایک "فکری اِلٰہیات" اور دوسری "الہامی اِلٰہیات"۔ آفاق اور اِنفس پر غور و فکر کے بعد خدا کی جو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ "فکری الٰہیات" ہے اور مذہب خدا کے متعلق جو کچھ بتاتا ہے وہ "الہامی الٰہیات" ہے۔



بیکن نے کہا کہ ہم عقل کے ذریعے خدا کو ماننے پر مجبور ہیں۔ ہم اِس سے زیادہ خدا کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے۔ اگر جاننا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں کلیسیا سے رابطہ رکھنا پڑے گا۔ یعنی کلیسیا کی فقہ، اُس کے علم الکلام اور روایات کو ماننا پڑے گا۔ اُس نے یہ مشورہ دیا کہ عقل کی چھوٹی سی کشتی کو چھوڑ کر کلیسا کے جہاز پر سوار ہو جاؤ۔ بیکن نے مذہب اور دنیا کے امور میں تفریق کے حق میں فلسفہ بنایا اور مذہب کو ایک "بے عقلی" کی چیز قرار دے دیا۔



تھامس ہابس (Thomas Hobbes)

تھامس ہابس نے بیکن کی مصالحانہ روش کو پسند نہیں کیا اور عقل کی کشتی کو چھوڑ کر کلیسیا کے جہاز پر سوار ہونے پر بھی آمادہ نہیں ہوا۔ اُس نے کہا کہ عقل خدا کو مانتی ہے، اِس لئے میں بھی خدا کو مانتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ خدا ایک مجسم ذات ہے، جس نے دنیا بنائی اور ہر چیز کو حرکت دی۔ وہ انسانوں کے ذریعہ دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔ ہم اِس سے زیادہ خدا کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے۔ اِس لئے ہمیں اِسی پر قانع رہنا چاہئے۔



رینے ڈیکارٹ (Descartes)

ڈیکارٹ یہ نہیں مانتا کہ عقل صرف اِتنا ہی جان سکتی ہے۔

اُس کا کہنا ہے کہ عقل کے ذریعے خدا کی بہت سی صفات اور اُن کے تقاضوں کو بھی جانا جا سکتا ہے۔ خدا ازلی ہے۔ وہ قادرِ مطلق، علیم و خبیر اور سراسر خیر و برکت ہے۔ اُس نے انسان کے اندر جو تصورات ودیعت کئے ہیں، وہ فریب نہیں، بلکہ حقائق ہیں۔ اُن کو ماننا واجب ہے، اور زندگی کے معاملات میں اُن سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔



انسان کی فطرت کے اندر جو اصول و کلیات ودیعت ہیں، ڈیکارٹ اُن سب کو مانتا ہے۔ کائنات کے مشاہدہ اور تاریخ کے مطالعہ سے جو اصول اخذ ہوتے ہیں، ڈیکارٹ اُن کو بھی مانتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ انسان کی راہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اِن اصولوں کی پابندی کرے۔ گویا وہ اِن اصولوں کو شریعت کا درجہ دیتا ہے۔



اسپنوزا(Spinoza)

اسپنوزا صوفی ہے۔ اس کے نزدیک ہر جگہ خدا ہی خدا ہے۔ وہ کائنات کو ایک مجموعی مشین مانتا ہے۔ یہ مشین جن فطری قوانین پر چل رہی ہے، ان کا نام خدا ہے۔ خدا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ سب اس کے اندر، یعنی سب خدا ہے۔ جب ہم خدا سے محبت کرتے ہیں تو اپنے سے محبت کرتے ہیں، اور جب ہم اپنے سے محبت کرتے ہیں تو خدا سے محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم خدا ہیں۔



اسپنوزا کے نزدیک عقل اور جسم خدا کی شاخیں ہیں۔
دونوں میں خدا ظاہر ہوتا ہے۔ اِس طرح اسپنوزا نے وحدت
الوجودیت کا فلسفہ پیش کیا، جُس کا اثر بعد کے فلسفیوں نے بھی
قبول کیا۔ اگر کوئی خدا کو مجسم ذات نہ ماننا چاہے اور بھاپ،
روح، قوتِ محرکہ یا قوانینِ فطرت کی شکل میں ماننا چاہے تو
اسپنوزا نے اُس کی بنیاد فراہم کر دی۔



جان لاک (John Lock)

جان لاک کا کہنا ہے کہ خدا ایک حقیقت ہے۔ انسان اپنی خلقت پر غور کرنے کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ وہ از خود وجود میں نہیں آیا، بلکہ اُس کا کوئی خالق ہے۔ خدا روح ہے۔ خدا علیم و خبیر، قادرِ مطلق اور عادل ہے۔ اُس نے دنیا بنائی، انسان کو پیدا کیا، کائنات میں اپنے قوانین جاری وساری کئے۔ یہ قوانین آفاق وانفس پر غور کرنے کے بعد معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ اِن قوانین کی پابندی کرنے والے جزا اور خلاف ورزی کرنے والے سزا کے مستحق ہیں۔



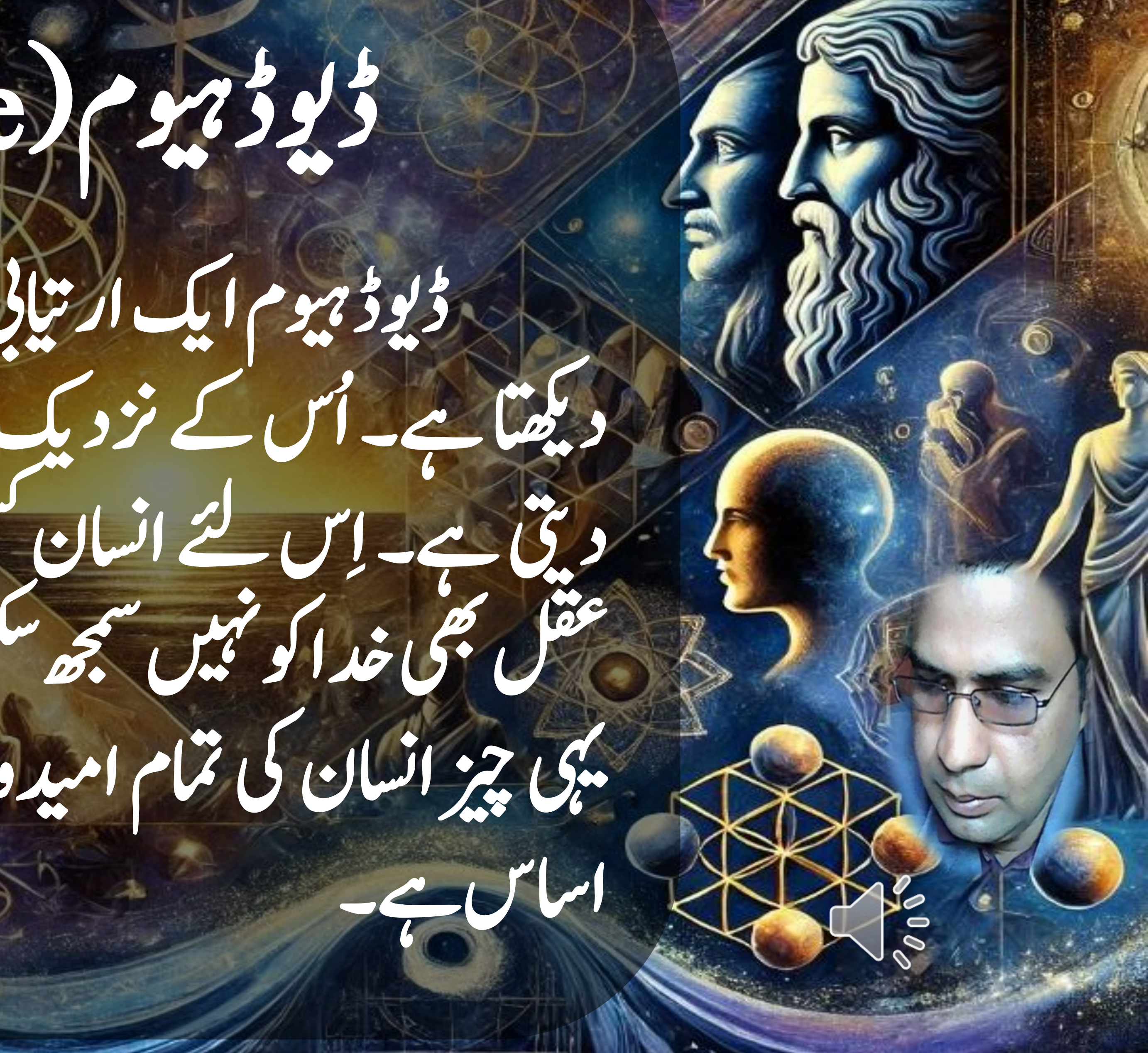
جارج برکلے

(George Berkeley)

مشہور پادری جارج برکلے نے کہا کہ خدا ہی دنیا کا خالق ہے۔ وہ لطیف ترین روح ہے اور پوری کائنات میں یہ روح سرائیت کئے ہوئے ہیں۔ مادہ یا جسم اُسی روح کی ایک شان ہے۔

ڈیوڈ ہیوم (David Hume)

ڈیوڈ ہیوم ایک ارتیابی فلسفی ہے۔ وہ ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اُس کے نزدیک ہر چیز دھوکا دیتی ہے۔ آنکھ بھی دھوکا دیتی ہے۔ اِس لئے انسان کسی چیز کا تعین نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انسانی عقل بھی خدا کو نہیں سمجھ سکتی۔ لیکن خدا کو ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ یہی چیز انسان کی تمام امیدوں کا مرکز اور اخلاقیات اور معاشرہ کی اساس ہے۔



دوسرے الفاظ میں ہیوم یہ کہنا چاہتا ہے کہ گو عقل کے ذریعے خدا کو پہچانا نہیں جا سکتا، لیکن اُس کی ضرورت بہر حال موجود ہے۔ انسان اپنے معاشرتی نظام اور اخلاقی نظام کو قائم رکھنے اور اپنے دل کو ڈانواں ڈول ہونے سے بچانے کے لئے خدا کو ماننے پر مجبور ہے۔

لائبنیز (Leibniz)

لائبنیز کے نزدیک خدا اعلیٰ اور اکمل ذات ہے اور انسان ادنیٰ اور ناکامل ہے۔ اِس لئے انسان خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ اُس کا ہلکا سا تصور کر سکتا ہے۔ کیونکہ نیکی، طاقت، علم اور خدا کی بعض دوسری صفات کا ہلکا سا پرتو اُس کے اندر موجود ہے۔ اِن صفات کو اگر مبالغہ کی انتہائی حد تک بڑھا دیا جائے تو ہم کچھ معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ اُس کا کہنا ہے کہ خدا نے دنیا کو بہترین شکل میں پیدا کیا اور خدا دنیا کے حالات سے باخبر رہتا ہے۔

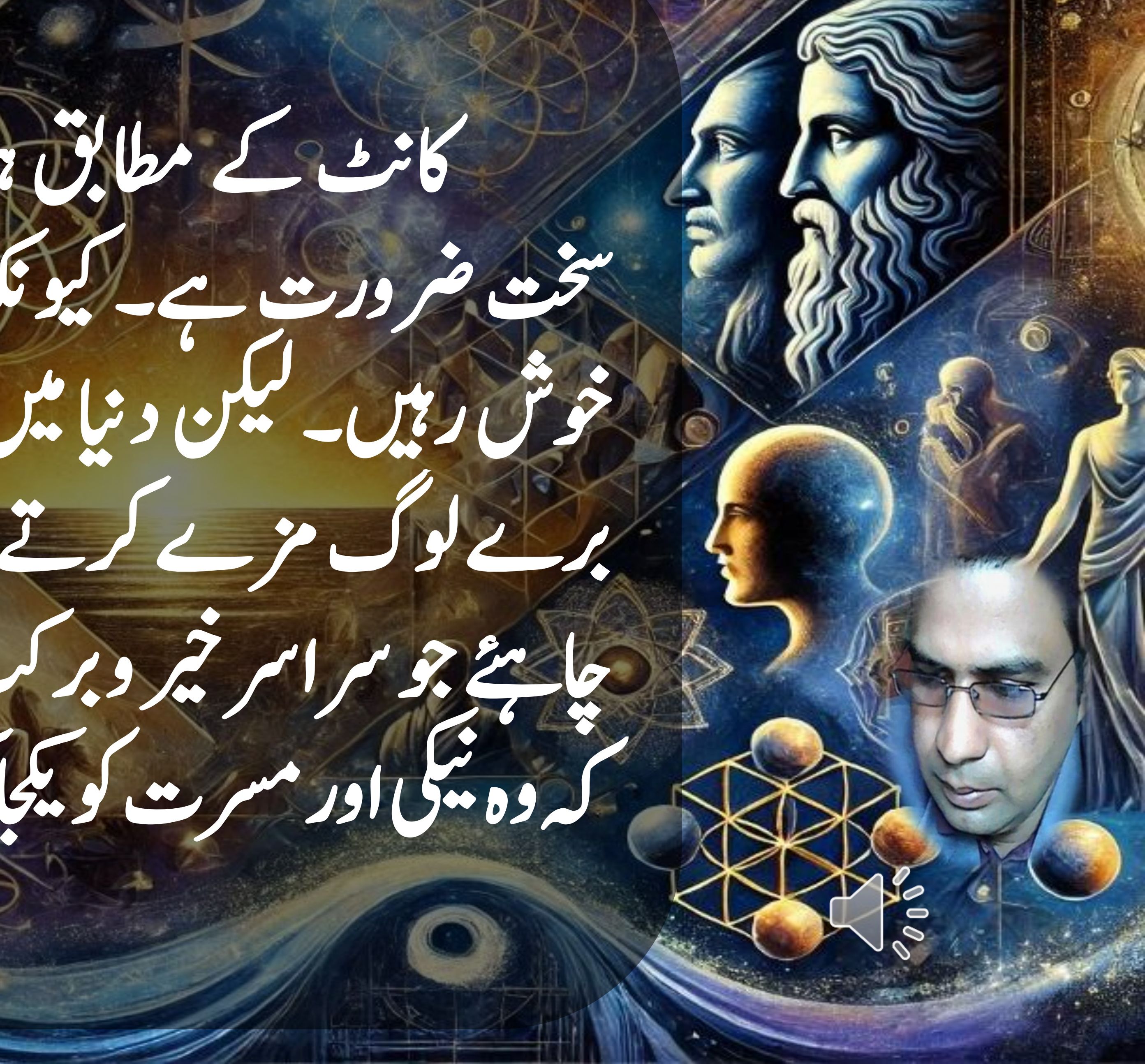


عمانوایل کانٹ(Immanuel Kant)

جرمنی کا عظیم فلسفی عمانوایل کانٹ اُن فلسفیوں کا سخت مخالف ہے جو کہتے ہیں کہ عقل اور تجربہ سے باہر کسی چیز کو ماننا ٹھیک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ پوری کائنات کا ہم تجربہ نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم اِس کو مانتے ہیں۔ اِس لئے اگر خدا عقل و تجربہ میں نہیں آتا تو اِس کے معنی یہ نہیں کہ خدا موجود نہیں۔ اُس کا کہنا ہے کہ خدا ہماری فطری اور اخلاقی ضرورت ہے۔ اُس کے ماننے پر ہماری کامل مسرت اور طمانیت کا انحصار ہے۔



کانٹ کے مطابق ہماری اخلاقی زندگی کے لئے خدا کی
سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ عقل کا مطالبہ ہے کہ اچھے لوگ
خوش رہیں۔ لیکن دنیا میں اچھے لوگ پریشان رہتے ہیں، اور
برے لوگ مزے کرتے ہیں۔ اِس لئے ایک ایسی ذات ہونی
چاہیئے جو سراسر خیر و برکت، مجسم دانش اور قادرِ مطلق ہو، تا
کہ وہ نیکی اور مسرت کو یکجا کر سکے۔



جان فشطے (John Fichte)

فشطے کانٹ سے اِس بات میں متفق ہے کہ خدا ہماری اخلاقی ضرورت ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ خدا کائنات کا خالق ہے۔ لیکن اُس کا کوئی خالق نہیں۔ خدا انسان کے ضمیر کے اندر موجود ہے۔



جوزف شیلنگ (Joseph Schelling)

جوزف شیلنگ نے کہا کہ خدا تخلیقی قوت ہے، جو کائنات کے اندر جاری و ساری ہے۔ دنیا اِسی لئے حرکت پذیر ہے کہ وہ خدا ہے۔ گویا یہ فلسفی بھی "وحدت الوجودیت" کا قائل ہے۔



فریڈرک ہیگل(Fredrich Hegel)

ہیگل کا خدا اُس کے نظریہ ارتقا کا حصہ ہے۔ اُس کے نزدیک دنیا ترقی کر رہی ہے۔ اِس لئے خدا بھی ترقی پذیر ہے۔ دنیا کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اُس کا شعور بھی ترقی کر رہا ہے۔ انسان میں یہ شعور کمال کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ ہیگل کا کہنا ہے کہ خدا تخلیقی دانش کا نام ہے، جس کا اظہار دنیا میں ہو رہا ہے۔



گستاؤ فیشنر (Gustav Fechner)

گستاؤ فیشنر کے نزدیک خدا اعلیٰ ترین روح ہے، جو دنیا میں اِس طرح جاری و ساری ہے، جس طرح ہمارے جسم کے اندر روح ہے۔



آگست کامتے (August Comte)

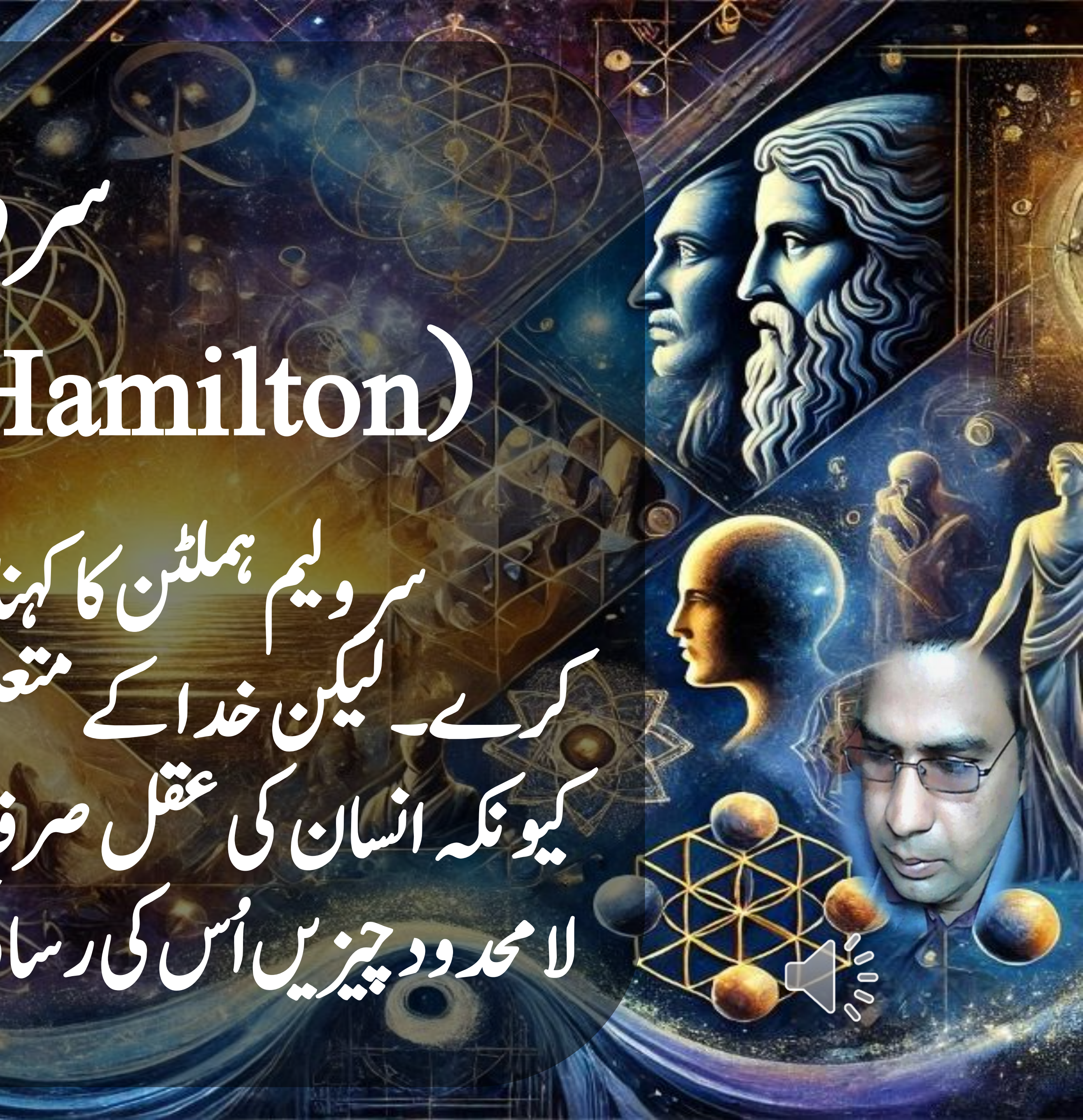
بعد کے فلسفیوں نے خدا کو سمجھنے کی کوششیں ترک کر دیں اور اِس معاملہ کو مذہب کے حوالہ کر دیا۔ آگست کامتے کا کہنا ہے کہ اسباب و علل کو تلاش کرنا ناپختہ انسانی ذہن کی علامت ہے۔ کیونکہ انسانی ذہن جب پختہ ہو جاتا ہے تو وہ خدا کو تلاش کرنے کی کوشش ترک کر دیتا ہے اور اشیاء اور واقعات میں تعلق دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔



سر ولیم ہملٹن

(Sir William Hamilton)

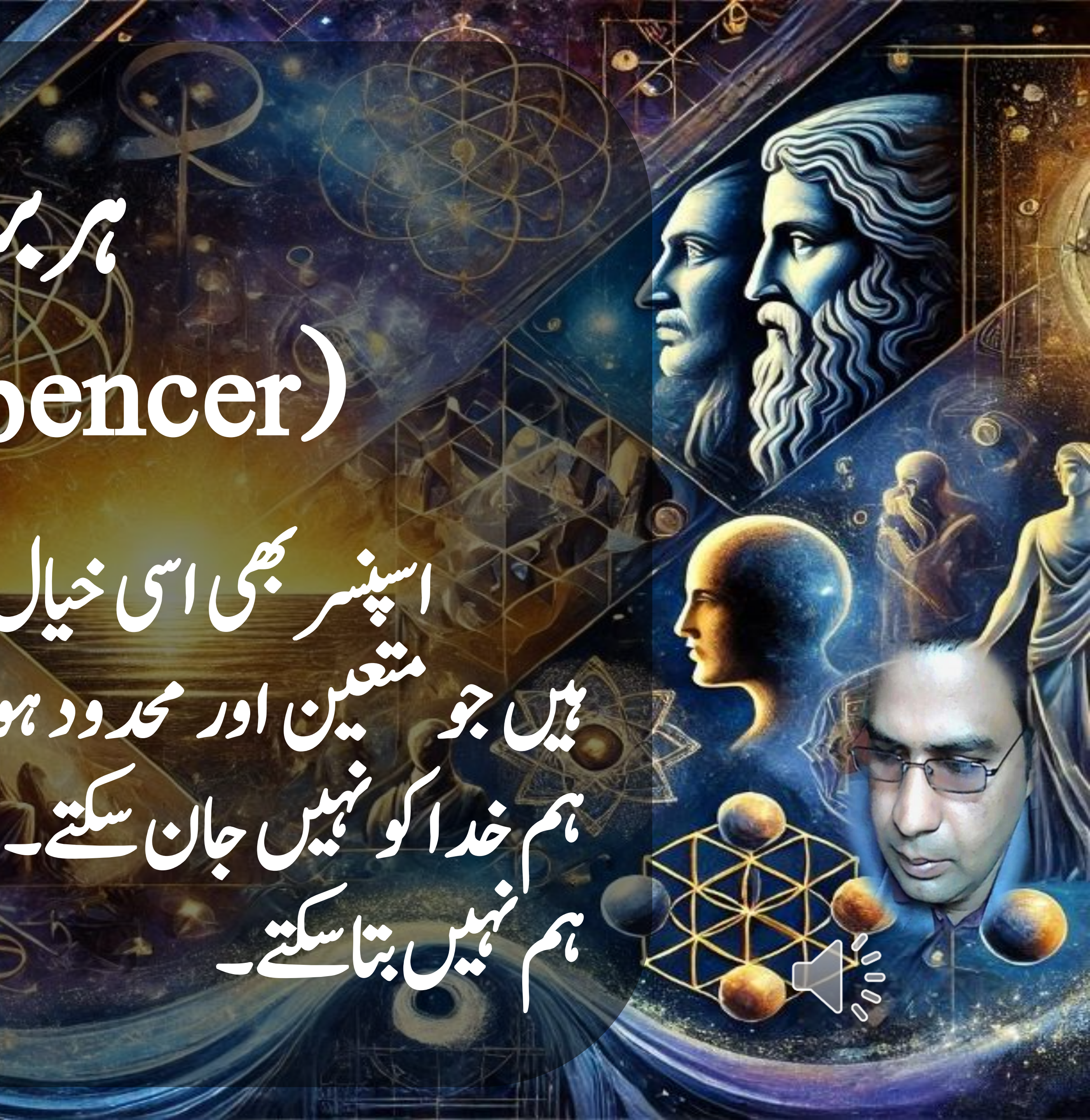
سر ولیم ہملٹن کا کہنا ہے کہ جس کا جی چاہے خدا پر یقین کرے۔ لیکن خدا کے متعلق کچھ جاننا ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ انسان کی عقل صرف محدود چیزوں کو جان سکتی ہے اور لامحدود چیزیں اُس کی رسائی سے باہر ہیں۔



ہربرٹ اسپنسر

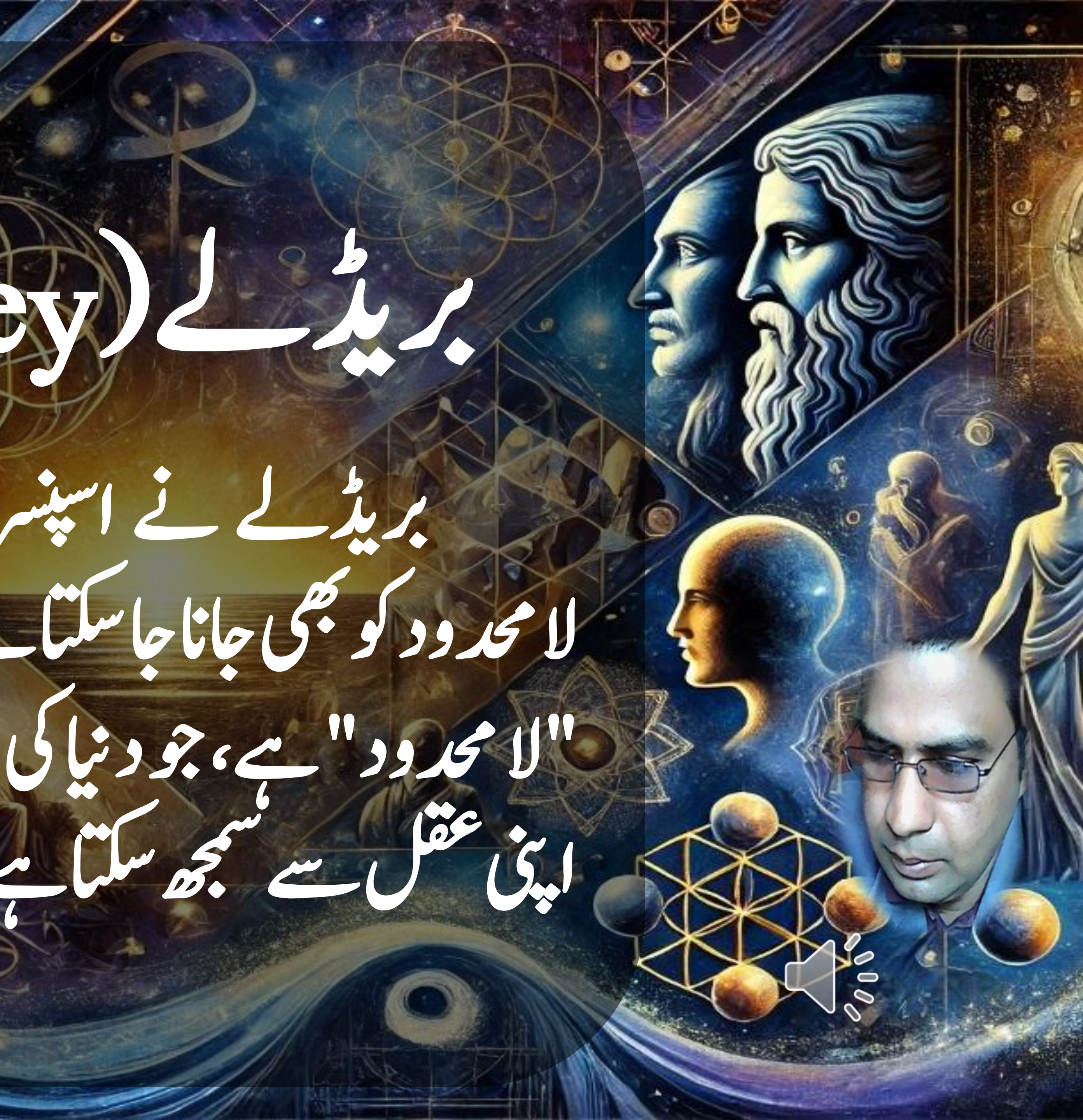
(Herbert Spencer)

اسپنسر بھی اسی خیال کا حامی ہے کہ ہم وہی چیز جان سکتے ہیں جو متعین اور محدود ہو۔ چونکہ خدا لامحدود ہے، اس لئے ہم خدا کو نہیں جان سکتے۔ لیکن خدا موجود ہے۔ وہ کیا ہے؟ یہ ہم نہیں بتا سکتے۔



بریڈلے (F. H. Bradley)

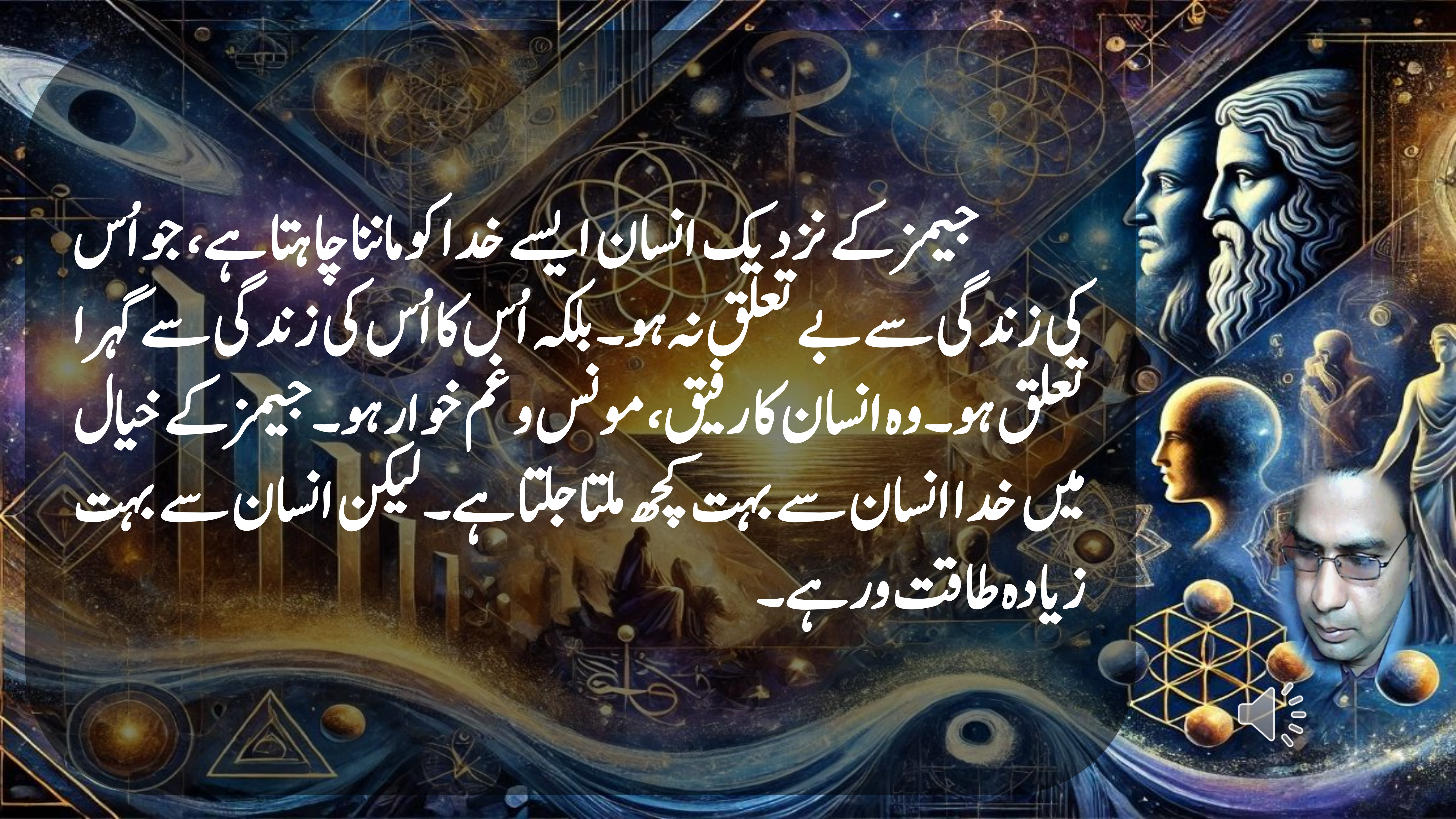
بریڈلے نے اسپنسر سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ لامحدود کو بھی جانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کائنات میں ہم آہنگی کا نام "لامحدود" ہے، جو دنیا کی ہر چیز میں موجود ہے، جس کو انسان اپنی عقل سے سمجھ سکتا ہے۔



ولیم جیمز (William James)

ولیم جیمز کا کہنا ہے کہ ہم خدا کے وجود اور اُس کے متعلق کسی چیز کو بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ لیکن خدا کو ماننے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ہماری فطرت کا تقاضا یہی ہے اور ہمارا دل بھی اِس بات کی گواہی دیتا ہے۔

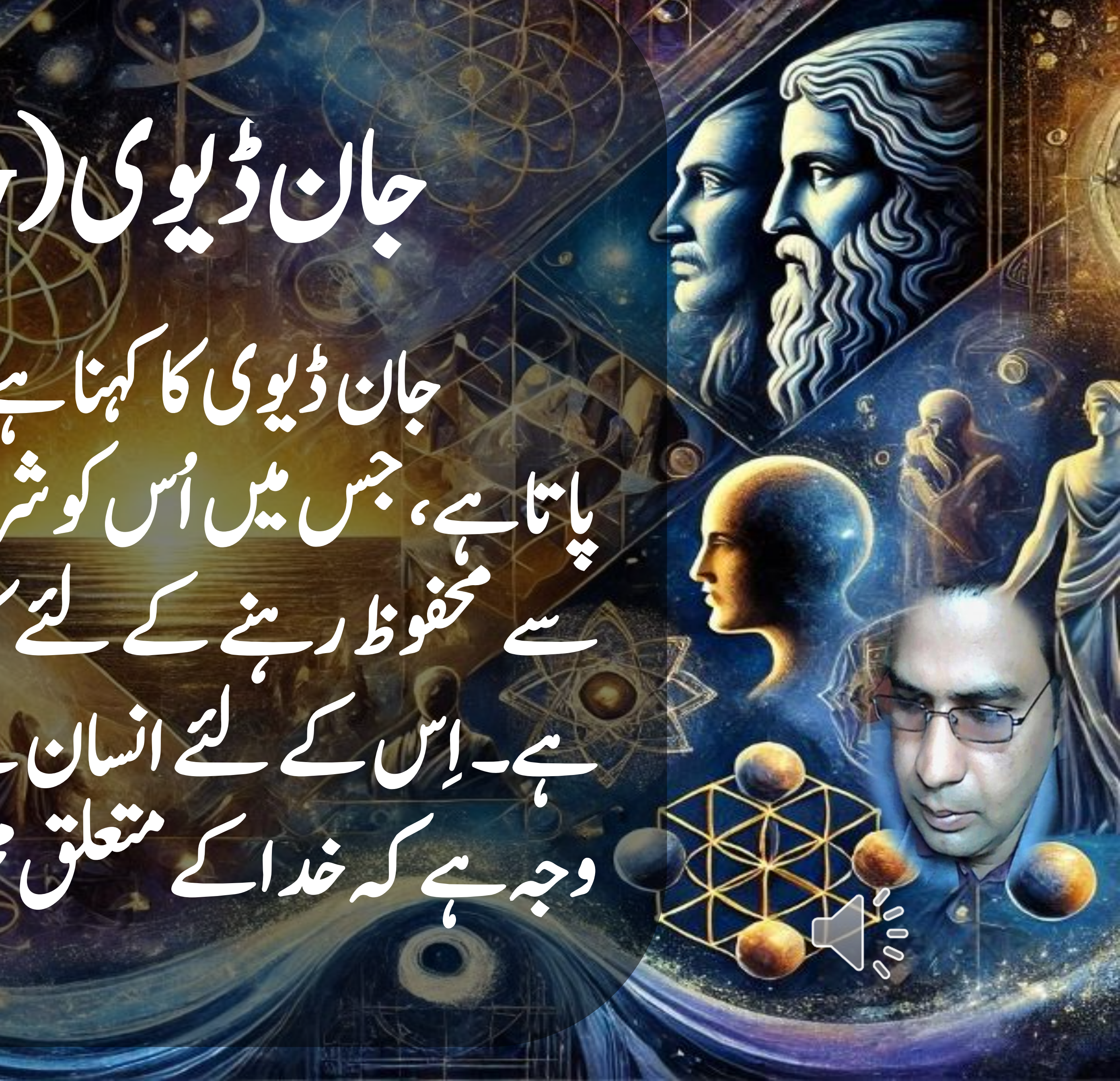




جیمز کے نزدیک انسان ایسے خدا کو ماننا چاہتا ہے، جو اُس
کی زندگی سے بے تعلق نہ ہو۔ بلکہ اُس کا اُس کی زندگی سے گہرا
تعلق ہو۔ وہ انسان کا رفیق، مونس و غم خوار ہو۔ جیمز کے خیال
میں خدا انسان سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ لیکن انسان سے بہت
زیادہ طاقت ور ہے۔

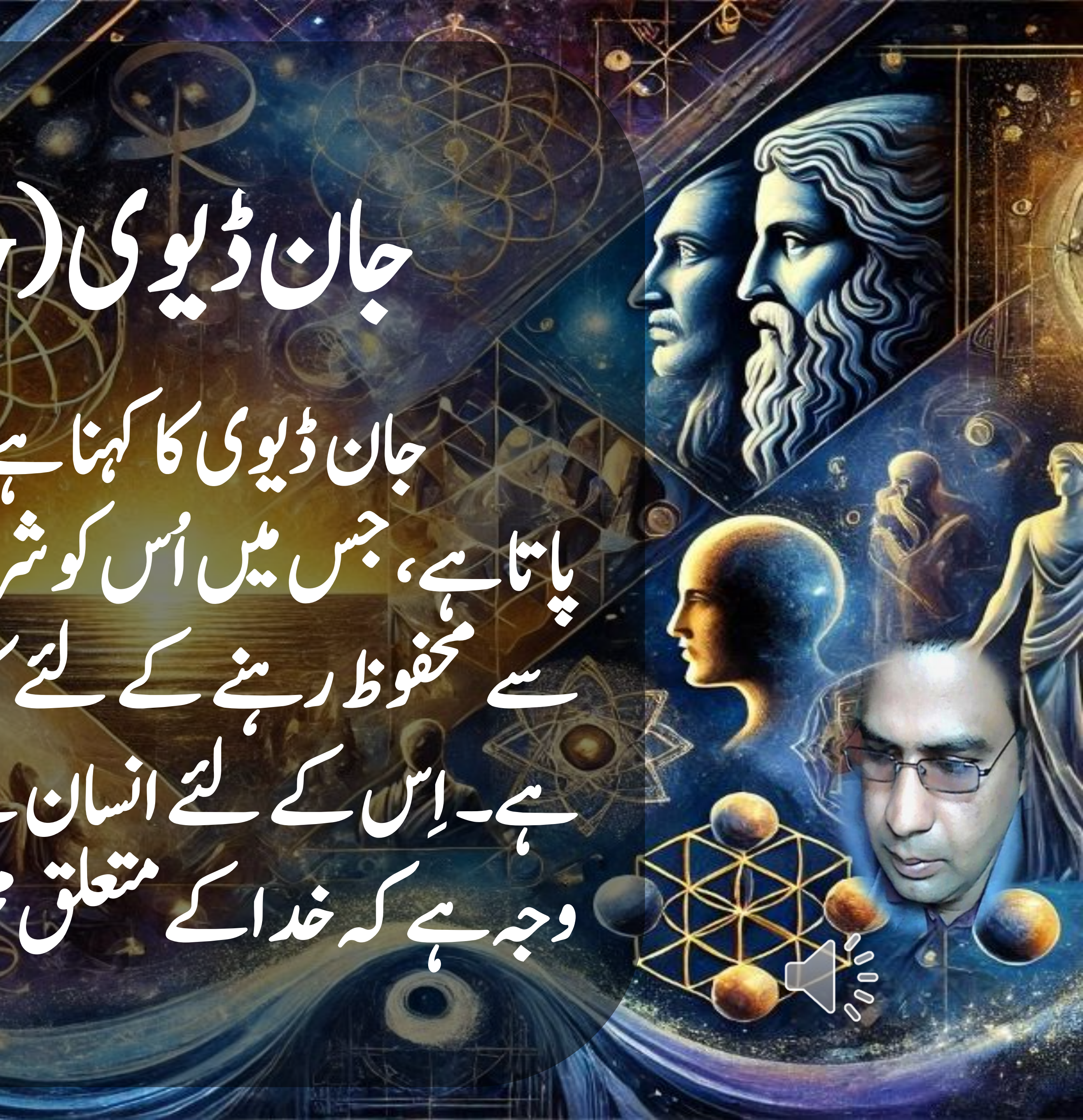
جان ڈیوی (John Dewey)

جان ڈیوی کا کہنا ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسی دنیا میں پاتا ہے، جس میں اُس کو شر بہت زیادہ نظر آتا ہے۔ اُس نے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کائنات کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس کے لئے انسان نے مختلف نظریات گھڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے متعلق مختلف تصورات پائے جاتے ہیں۔



جان ڈیوی (John Dewey)

جان ڈیوی کا کہنا ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسی دنیا میں پاتا ہے، جس میں اُس کو شر بہت زیادہ نظر آتا ہے۔ اُس نے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کائنات کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس کے لئے انسان نے مختلف نظریات گھڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے متعلق مختلف تصورات پائے جاتے ہیں۔




ختم شُد